ڈاکٹر محمود الحسن عارف☆

تقدیسِ والدی المصطفیٰ ﷺ

کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

برعظیم پاک وہند کو یہ اعزاز اور یہ شرف حاصل ہے کہ اس کے شہروں اور قصبوں میں، سیرت طیبہ پر جتنا کام ہوا ہے وہ عربی زبان کو مستثنیٰ کرتے ہوئے، دنیا کی کسی اور زبان یا خطے میں نہیں ہوا۔ یہاں کا کچھ کام تو منظر عام پر آچکا ہے، اور بہت سا کام ابھی مختلف ''کتاب خانوں'' اور لائبریریوں میں مخفی پڑا ہے۔ اس میں میں بہت سا کام ایسا ہے جو بین الاقوامی نوعیت اور حیثیت کا ہے، لیکن یہ کام ابھی تک کسی محقق کی نظر عنایت کا منتظر ہے۔

مجھے ذاتی طور پر برعظیم پاک وہند کی جن عظیم شخصیت پر کام کرنے کا موقعہ ملا، وہ متاخر مغلیہ دور کی عظیم ترین علمی شخصیت ہیں، میری مراد قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی سے ہے، قاضی صاحب نے چالیس کے قریب چھوٹی بڑی کتب مرتب اور مدوّن فرمائیں۔ جن میں سیرت طیبہ کے پاکیزہ عنوان پر چند رسائل بھی شامل ہیں، جن کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ شمائل و اخلاق نبوی ﷺ: یہ رسالہ راقم الحروف کے ترجما و تعلیقات کے ساتھ، نفیس اکیڈمی لاہور نے ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں شائع کر دیا ہے۔

۲۔ رسالہ در نسب اطہر و ازواج مبارکہ و اولاد عالی گہر سرور عالم ﷺ: یہ نسخہ دہلی میں کتاب خانہ مولانا ابوالحسن زید مرحوم میں محفوظ ہے۔

☆ صدر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور،

۳۔ تقدیس والدی المصطفیٰ ﷺ : اس مقالے میں سیرت طیبہ سے تعلق رکھنے والے اسی اہم رسالے پر گفتگو ہوگی۔

۴۔ خلاصۃ السیر (سیرت شامی کی ایک جلد کی تلخیص): یہ مخطوطہ کتاب خانہ خدا بخش، پٹنہ میں موجود ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم رسالے پر گفتگو کریں، مناسب ہوگا کہ اس کے فاضل مؤلف کے حالات پر ایک نظر ڈالی جائے۔

قاضی صاحب محمد ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) اپنے زمانے میں سب سے زیادہ علمی شان اور فکری آب وتاب رکھنے والے عالم دین، مجتہد، صوفی اور مفسر قرآن ہیں۔ انہوں نے اپنے دور کی دو عظیم شخصیات امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۸۵ھ/۱۷۶۲ء) اور قطبِ دوراں مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۲ء) سے اکتساب فیض کیا۔ وہ ایک طرف علومِ ظاہریہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے، تو دوسری طرف علمِ طریقت و تصوف میں بھی مرجع عوام وخواص تھے۔

قاضی صاحب کی شخصیت کو جن باتوں میں قدرت نے دوسروں سے ممتاز کیا تھا، ان میں ان کی ذات میں اعتدال وتوازن کی موجودگی، علوم شریعت اور علوم طریقت میں یکجائی نمایاں ہیں۔ اسی لئے انہیں اور ان کی تفسیر مظہری کو خاص عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

قاضی صاحب ؒ کو اپنے دونوں بزرگوں (شاہ ولی اللہ محدثؒ اور مرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ) کی طرف سے خاندان نبوی ﷺ سے محبت وراثت میں ملی تھی، یہ اسی کا اثر تھا کہ قاضی صاحب نے اپنی اس محبت کا کھلے لفظوں میں اظہار فرمایا ہے، اس فہرست میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول (اجداد) اور فروع (اولاد) دونوں شامل ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے محبت کا ہی یہ اثر تھا کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے اپنی ''عقیدت ومحبت'' کا واضح ترین الفاظ میں اظہار فرمایا ہے، اور ان کے مخالفین پر ہے تنقید کی ہے دوسری طرف اپنی کتاب میں آنحضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بزرگوں سے نہ صرف یہ کہ خصوصی محبت وعقیدت کا اظہار فرمایا ہے بلکہ ان کے ایمان کو ثابت کر کے ان کے نجات یافتہ ہونے کے نظریئے کی وکالت کی ہے۔

رسالہ تقدیس کی اہمیت

قاضی صاحب نے خاندان نبوت سے اپنی عقیدت کا اظہار جن مستقل رسائل وتصانیف میں کیا ہے، زیر بحث رسالہ تقدیس بھی ان میں شامل ہے۔ اپنی اس تصنیف اور اس کے بلند پایہ موضوع کا تذکرہ انہوں نے اپنی عظیم تفسیر "تفسیر مظہری" میں بھی دو مقامات پر فرمایا ہے۔ وہ سورۃ البقرہ (آیت ۱۱۹) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> وقد صنف الشيخ الاجل جلال الدين السيوطي رضي الله عنه في اثبات اسلام آباء النبي صلى الله عليه وسلم رسائل و اخذت من تلك الرسائل فذكرت فيها ماثبت اسلامهم ويفيد اجوبة شافية مايدل على خلافه- (۱)

> اور شیخ جلال الدین السیوطی رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے اثبات پر کئی رسالے لکھے ہیں۔ میں نے ان کے رسائل میں سے انتخاب کر کے ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس میں ان دلائل کا ذکر کیا ہے، جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے اور اس میں اس کے خلاف پیش کئے جانے والے اعتراضات کے شافی جوابات کا بھی ذکر کیا ہے۔

اسی طرح سورۂ توبہ (آیت ۱۱۳) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے، اپنی اس کتاب کا مکرر حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے:

> وقد صنف الاجل جلال الدين السيوطي رضي الله عنه رسائل في اثبات ايمان ابوى رسول الله صلى الله عليه وسلم وجميع آبائه و امهاته الى آدم عليه السلام و خلصت منها رسالة سميتها بتقديس

آباء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فمن شاء فلیرجع الیہ (۲)

اور شیخ اجل علامہ جلال الدین السیوطی رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور حضرت آدم علیہ السلام تک آپ ﷺ کے تمام اجداد اور آپ کی تمام جدات کے ایمان کو ثابت کرنے کے لئے کئی رسائل تصنیف فرمائے اور میں نے اس میں سے ایک رسالہ تلخیص کر کے لکھا ہے، جس کا نام "تقدیس آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ جو شخص چاہے اس کی طرف مراجعت کرے۔

اس مقالے کی فوٹو کاپی مجھے محترم آغا ابوحفص (کوئٹہ) کی مہربانی سے دستیاب ہوئی ہے۔ ابتداءً میرا خیال تھا کہ یہ نسخہ کافی ضخیم ہوگا، اور اس میں اپنے موضوع کا پوری طرح احاطہ کیا گیا ہوگا۔ لیکن اس رسالے کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ قاضی صاحب کا یہ رسالہ خلاف معمول مختصر ہے، حالانکہ قاضی صاحب عموماً طویل نویس مصنف ہیں، مگر یہ رسالہ چند صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ کا انداز بیان بے حد ایجاز و اختصار لئے ہوئے ہے۔

موضوعی پس منظر:

اس سے قبل کہ اس رسالے کے مضامین اور محتویات پر نظر ڈالی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے موضوع پر مختصری گفتگو کرلی جائے۔

یوں تو اسلامی تعلیمات کا دامن "آفاق گیر ہے" اور زماں و مکان کی کوئی قید اور بندش اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی، لیکن اسلام کی ان اعلیٰ و ارفع تعلیمات کی اساس جن بین الاقوامی اور آفاقی اصولوں پر استوار ہے، ان میں ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات طیبہ سے محبت و وابستگی اور آپ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کا اصول بھی ہے۔ قرآن حکیم نے ہر جگہ اس نکتے پر زور دیا ہے اور اس کو "ایمان" کی بنیاد کہا ہے، مثلاً ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا۔ (۳)

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (ﷺ) کوئی فیصلہ کر دیں، تو ان کے لئے اس میں کچھ اختیار باقی رہے، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہ ہو گیا۔

ایک اور مقام پر نبی اکرم ﷺ سے محبت رکھنے ''کو جزوِ ایمان'' قرار دیا گیا، ارشاد ہے!

قُلْ إِن كَانَ ءَابَآ كُمْ وَأَبْنَآ ؤُ كُمْ وَإِخْوَا نُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ ٱقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٍ فِى سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِىَ ٱللَّهُ بِأَمْرِهِۦ (۴)

کہہ دو اگر تمہارے باپ، بھائی، عورتیں، خاندان کے لوگ، وہ مال جو تم کماتے ہو اور تجارت، جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو، اور مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہیں، تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) بھیج دے۔

پیغمبر کی ذات سے اس درجہ محبت رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اخلاقِ حسنہ کا نمونۂ کامل ہیں، لہٰذا جس درجے کی آپؐ سے محبت والفت ہوگی، اسی درجے میں آپ ﷺ کی ذات سے عملی اور روحانی فیضان ہوگا۔

قرآن حکیم نے اسی بنا پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کا تذکرہ ایسے پاکیزہ الفاظ سے فرمایا ہے جو ادب آمیز ہونے کے ساتھ ساتھ الفت خیز بھی ہیں۔ مثلاً انہیں تمام لوگوں کے لئے رافت ورحمت کا سرچشمہ اور رؤف ورحیم کہا گیا ہے۔ (۵) آپ ﷺ پر لوگوں کا مشقت میں پڑنا بڑا گراں تھا۔ (۶)

آپ لوگوں کے ایمان نہ لانے کے غم میں مسلسل گھلتے رہتے تھے، جس کی بنا پر قرآن حکیم کو کئی بار آپ کو محبت آمیز پیرائے میں نصیحت کرنا پڑی (۷)، آپ ﷺ کی ذات ان تمام

اخلاق حسنہ و عالیہ کا مجموعہ، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں (٨)، اسی لئے آپ ﷺ کی ذات کو خلق عظیم کی حامل ہونے کی باعث امت کے لئے، اسوۂ حسنہ (عمل کا قابل تقلید نمونہ) قرار دیا گیا۔(٩)

علاوہ ازیں آپ ﷺ کی ذات اقدس سے، امت کے رشتہ محبت و مودت کو مزید مضبوط اور پختہ کرنے کے لئے، آپ کے نفس ذکیہ کے ساتھ، عام انسانوں کے وہ تمام رشتے بھی قائم کر دیئے ہیں جن سے باہمی الفت و محبت میں قابل رشک اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ ﷺ کی ذات امت پر ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتی ہے (١٠) اور آپ ﷺ کی ازواج طیبات و طاہرات نہ صرف یہ کہ امت کی مائیں ہیں (١١) (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے روحانی والد)، بلکہ ان سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ کے لئے نکاح بھی حرام قرار دیا گیا ہے (١٢)۔

اس محبت کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے جہاں تک بارگہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے آداب کا تعلق ہے، جو محبت و عظمت کا لازمی تقاضا ہوتے ہیں، قرآن حکیم نے ان سے بھی امت کو آگاہ کیا ہے۔ چنانچہ حکم دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اپنی ذات (یا اپنی رائے وغیرہ) کو کبھی مقدم نہ کیا جائے (١٣)۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس کو عام لوگوں کی طرح نہ بلایا جائے، (١٤) آپ ﷺ کے روبرو، ادب، نرمی اور آہستگی سے زبان کھولی جائے۔(١٥) اور آپ ﷺ کے بلانے کو عام لوگوں کے بلاوے کی طرح نہ سمجھا جائے۔(١٦) اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ ان آداب کی خلاف ورزی انسان کے اعمال کی بربادی اور ان کے اکارت ہونے کا ذریعہ بن سکتی ہے (١٧)۔

قرآن حکیم نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہی نہیں، بلکہ آپ کے قریبی عزیزوں سے بھی محبت والفت رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى - (١٨)

کہہ دو کہ میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت تو چاہیے۔

نامور صحابی اور حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے متعدد تابعین نے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ''مودۃ فی القربی'' سے مراد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں سے محبت واخوت ہے، چنانچہ ابن ابی حاتم، الطبری اور ابن مردویہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں۔(۱۹) اس کے علاوہ حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث میں بھی یہ مذکور ہے، کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اُذَکِّرُکُمُ اللّٰهَ فِیْ بَیْتِیْ (۲۰)

میں تمہیں اپنے گھر والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں۔

احادیث نبویہ:

قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ احادیث طیبہ میں بھی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات طیبہ سے محبت وعقیدت رکھنے کا درس دیا گیا ہے، مثال کے طور پر ایک حدیث میں ہے کہ:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔(۲۱)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا، جب تک میری ذات اس کے نزدیک اس کے باپ، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو۔

امام بخاری نے ''حب الرسول من الایمان'' پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے، جس میں اسی نکتے پر زور دیا گیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من کن فیہ وجدبھن حلاوۃ الایمان، من کان اللّٰہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما و من احبّ عبداً لا یحبہ الا لِلّٰہ ومن یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللّٰـہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی

النار – (۲۲)

جس شخص میں تین باتیں موجود ہوں وہ ایمان کی حلاوت پالے گا، جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول باقی سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جائے، اور جو شخص کسی بندے سے، صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے اور جو شخص کفر سے نجات ملنے کے بعد اس کی طرف لوٹنے کو اس طرح ناپسند کرے، جس طرح کہ وہ جہنم میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

قرآن حکیم اور احادیث طیبہ کے ان پیہم بیانات اور صاف وصریح ارشادات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسیہ "ایمان" کا محور ہیں، اور آپ ﷺ کی ذات اقدس سے گہری محبت وعقیدت کے بغیر دین اسلام کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

آنحضور ﷺ کے خاندان کی محبت:

پھر کسی "فرد" سے محبت "تنہا" نہیں کی جاتی، بلکہ محبت کا دائرہ عموماً اس کے خاندان، قبیلے اور متعلقین تک وسیع ہوتا ہے اور محبت کرنے والا ہر اس نقش پا سے محبت کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے، جو "دیار یار" تک پہنچنے والے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا بھی یہی معاملہ ہے۔

خود قرآن کریم میں "محمد رسول اللّٰہ" (۲۳) صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ والذین معہ (وہ لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں) کا تذکرہ بھی اسی محبت بھرے انداز کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر تمہاری محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی اور بے لوث ہے تو تمہارے دلوں میں ان لوگوں سے بھی محبت ہو گی، جو ماہتاب نبوت کے آس پاس حلقہ بنا کر اکٹھے ہیں۔

اور اگر ان لوگوں کا معاملہ ہو، جنہیں خاندان نبوی ﷺ ہونے کا مقام ومرتبہ حاصل ہے، تو وہ مسلمانوں کی ساری محبتوں اور عقیدوں کا مرجع ومرکز ہیں۔ چنانچہ مفسرین نے قرآن کریم کی

آیت مبارکہ:

اِنَّ الَّذِینَ یُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ – (۲۴)

یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔

کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ اس موقع پر نازل ہوئی، جب منافقین نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں ایسی باتیں گھڑ کر پھیلا دی تھیں، جو بے اصل اور بے سند تھیں۔ (۲۵) اس کے علاوہ سورۂ النور میں، واقعہ افک کا رد جس طرح کے سخت ترین الفاظ اور کلمات میں فرمایا گیا، اس سے بھی اس خیال اور قیاس کو تائید پہنچتی ہے کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ و اقارب بھی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے "محبت" کے زمرے میں داخل ہیں، اسی لئے اس بحث کا اختتام!

اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَات – (۲۶)

نیک عورتیں نیک مردوں کے لئے اور نیک مرد نیک عورتوں کے لئے ہیں۔

پر ہوا ہے، جس میں خصوصاً خاندان نبوت کی خواتین کے بارے میں محتاط رہنے کا مضمون بڑی عمدگی کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

الغرض قرآن حکیم، احادیث طیبہ اور ائمہ اسلام کے اقوال کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے، کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان مسلمانوں کے لئے ایک شاہی خاندان (Royal Famely) کی حیثیت رکھتا ہے، جن سے محبت و عقیدت ان کے ایمان کا حصہ اور جزو ہے۔

اس فہرست میں آپ ﷺ کے خاندان کے وہ لوگ تو بلا اختلاف شامل ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور جنہوں نے آپ ﷺ کے مرتبۂ نبوت و رسالت کو پہچانا، جیسے حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور آپ ﷺ کے خاندان کے دوسرے نفوس قدسیہ ہیں۔

رہے وہ بزرگ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے، علماء نے انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

پہلی قسم: ان بزرگوں پر مشتمل ہے، جن کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی گئی مگر انہوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ جیسے ابولہب اور (اکثر روایات کی رو سے) جناب ابوطالب وغیرہ، ان لوگوں کے بارے میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ لوگ دعوت اسلام کو رد کرنے کے باعث مستحق عذاب وعتاب ہیں......البتہ ان کا خصوصاً جناب ابو طالب کا تذکرہ ادب واحترام کا متقاضی ہے۔

دوسری قسم ان لوگوں اور ایسے بزرگوں پر مشتمل ہے، جنہوں نے، بعثت نبوی ﷺ سے قبل انتقال فرمایا اور انہیں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی بزرگوں کا حکم مختلف فیہ ہے اور یہی مسئلہ زیر بحث رسالے کا موضوع ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سعیدین کا دینی مقام ورتبہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں سرفہرست تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدسی الصفات والدین جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ ہیں۔ یہ دونوں بزرگوار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "دنیا" میں تشریف آوری کا ظاہری سبب اور وسیلہ بنے اور اربوں کھربوں انسانوں پر مشتمل اس دنیا میں سے صرف وہی دونوں اس "سعادت عظمیٰ" کے حق دار اور سزاوار قرار پائے۔ یہ مرتبہ بلند اور یہ شرف عظیم خدائے بخشندہ کی بخشش اور عطا کے بغیر ناممکن ہے۔

آپ ﷺ کی ولادت کے موقع پر جناب عبداللہ کی موجودگی مختلف فیہ ہے، اکثر روایات کی رو سے، انہوں نے اس وقت انتقال فرمایا، جب آپ ﷺ ابھی شکم مادر میں تھے۔

جبکہ آپ ﷺ کی والدہ سعیدہ نے آپ ﷺ کی ۶ برس یا ۸ برس تک تربیت اور پرورش فرمائی اور اس وقت دنیا سے پردہ فرمایا، جب آپؐ نے اپنی زبان سے بولنا اور اپنے قدموں سے چلنا سیکھ لیا تھا۔ اس طرح ان دونوں بزرگوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا، اور یہ دونوں بزرگ اُس وقت فوت ہوئے، جب ابھی آپؐ نے اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا، یہی حال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کے اجداد اور جدات کا ہے، اسی لئے ان بزرگوں کے بارے میں علمائے اسلام کے مابین اختلاف ہے کہ ان کا دینی مرتبہ ومقام کیا ہے۔

۴۔ آنحضور ﷺ کے والدین کے بارے میں تین مسالک کی تشریح:

پھر چونکہ ان بزرگوں کا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جسمانی رشتہ بھی تھا جو ان کے خصوصی اکرام کا متقاضی ہے، اس لئے ان کا نجات وعدم نجات کے متعلق بحیثیت عمومی درج ذیل مسالک سامنے آئے ہیں:

(الف) خاموشی (سکوت)

مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی رشتہ داری اور ان کا انتقال ایک ایسے دور (دورِ فترت) میں ہونے کی بنا پر جب لوگ اسلام کی روشنی سے محروم تھے، ان کے بارے میں جمہور امت نے (جس میں ائمہ اربعہ) کے علاوہ بڑے بڑے اکابرین امت شامل ہیں سکوت (خاموشی) کا مسلک اختیار فرمایا ہے، اور ہمارے خیال میں یہی مسلک سب سے بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ (نجات وعدم نجات) چونکہ عالم آخرت سے ہے، جہاں فیصلوں کا کامل اختیار مالک یوم الدین، (جزا وسزا کے دن کا مالک) کو ہے، جو اس بارے میں کسی قسم کی مداخلت گوارا نہیں فرمائے گا، اس لئے اس بارے ''سکوت'' ہی میں عافیت ہے۔

پھر ''نجات'' ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے متعلق قطعیت کے ساتھ دعویٰ کرنا، بے اصل اور بے سند ہی ہوسکتا ہے، اس لئے کہ اس کی اساس، اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے فیصلے پر ہے، لہٰذا کسی شخص کے بارے میں، خصوصیت کے ساتھ اس کے نجات یافتہ ہونے یا مقرب ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور اسلام کی دینی تعلیمات کی رو سے، کسی فرد یا خاندان یا ادارے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ وہ کامیاب ہوگیا ہے، یا وہ اپنے اعمال کی بنا پر بارگاہ خداوندی میں معتوب اور ماخوذ ہونے والا ہے۔

پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدسی صفات والدین کے عمومی رویئے اور ان کے اخلاق عالیہ کے متعلق جو روایات ملتی ہیں ان کے مطالعے سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں بزرگوار اتنے نیک اور صالح الفطرت تھے کہ اگر ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جاتی، تو وہ یقیناً اس

دعوت کو نہ صرف یہ کہ قبول کرتے بلکہ اس کے سچے داعی اور مخلص ترین مبلغ بھی قرار پاتے، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا اقتضاء یہ ہوا کہ آپ ﷺ کو بچپن ہی میں ان کے سائے سے محروم کر دیا جائے، اور آپ کی پرورش براہِ راست اپنی نگرانی میں کی جائے۔

اسلام کی عمومی تعلیمات اور قرآن کریم کے حکیمانہ فلسفے کے ذریعے اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر شخص کے ساتھ مکمل طور پر عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔

عدل کے ترازو پر نہ صرف یہ کہ ان کے اعمال کو تولا جائے گا، بلکہ اس بات کا بھی جائزہ لیا جائے گا کہ انہیں اسلام کی دعوت کس حد تک پہنچی تھی؟ اس طرح وہ لوگ، جو اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں نرمی اور رعایت کے مستحق قرار پائیں گے۔

لیکن چونکہ اسلام کے "دورِ متوسط" میں وہ مسائل بھی زیر بحث لائے گئے جن پر خاموشی اور سکوت، بحث و تمحیص سے بہتر تھا۔ جن میں زیر بحث مسئلہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے نجات و عدم نجات کا مسئلہ) بھی شامل تھا، جس پر زیر بحث رسالہ مشتمل ہے، لہٰذا اس بارے میں "سکوت" پر امت متفق نہ ہو سکی، اور دوسرے مسالک بھی معرض وجود میں آگئے۔

۲۔ معتوب ہونے کا مسلک

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں دوسرا مسلک یہ ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) دورِ جاہلیت کے دوسرے لوگوں کی طرح بارگاہِ خداوندی میں ماخوذ اور معتوب ہوں گے۔

یہ غلط فہمی یا نظریہ، چند روایت و آثار کی بنا پر پیدا ہوا۔ اور غالباً یہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے دوران میں پیدا ہونے والے فروعی مباحث کی پیداوار ہے، اس نظریے کی تشکیل کا سبب صحاح ستہ کی چند روایات ہیں، ایسی روایات جو اس نظریے کے لئے تقویت کا باعث بنیں، قاضی صاحب کے زیر بحث رسالے کا خصوصی موضوع ہیں۔

لہٰذا ان پر تفصیلی بحث تو رسالے کے مطالعے سے ہی ممکن ہے، جہاں قاضی صاحب نے ان پر مفصل اور اجمالی طور پر بحث کی ہے،

ان روایات کا اگر مختصراً جائزہ لیا جائے تو انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک

حصہ تو وہ ہے، جن میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دعا مغفرت کی اجازت مانگی، مگر اجازت نہ ملی، یہ روایت اگرچہ صحیح مسلم میں مروی ہے، لیکن اس لئے محلِ نظر ہیں کہ ان میں قبر کا جو موقع محل اور آیت کا جو شانِ نزول بیان ہوا ہے، وہ دوسری صحیح روایات سے متصادم ہے، آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر مدینہ منورہ سے چند کوس کے فاصلے پر واقع مقام ابواء میں ہے، نہ کہ مکہ مکرمہ میں، اس لئے اُسے راوی کی غلط فہمی کا نتیجہ چنانچہ ممکن ہے کہ آپؐ نے جنت المعلیٰ (مکہ مکرمہ) میں، اپنے کسی دوسرے مشرک عزیز کی قبر پر حاضری دی ہو اور راوی نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر سمجھ لیا۔

اس سلسلے میں دوسری قسم ایسی روایات کی ہے جن میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے بعض صحابہ کرامؓ کے ساتھ گفتگو کے دوران میں یہ فرمایا:

"میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے"

ایسی روایتوں کے متعلق قاضی صاحب اور بعض دوسرے محدثین کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک محض "توریہ" کے طریقے پر تھا۔

جن محدثین اور مفسرین نے مذکورہ نظریئے سے اختلاف کیا ہے، ان میں حسبِ ذیل دو بزرگ خصوصاً قابلِ ذکر ہیں:

ا۔ امام ابو بکر البیہقیؒ:

امام ابو بکر البیہقی نے اپنی کتاب الحلیہ میں اس عنوان پر چند روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وکیف لایکون ابواہ وجدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھٰذہ الصفۃ فی الآخرۃ وقد کانوا یعبدون الوثنیٰ حتی ماتوا ولم یدینوا دین عیسیٰ بن مریم علیہ السلام وکفرھم لا یقدح فی نسبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لان انکحۃ الکفار صحیحۃ-(۲۷)

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپ (ﷺ) کے جدامجد کا یہ حال کیوں

نہ ہو، کیوں کہ وہ اپنی وفات تک بتوں کی پوجا کرتے رہے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین بھی اختیار نہیں فرمایا، تاہم ان کے کفر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پر حرف نہیں آتا، اس لئے کہ کفار کے نکاح صحیح ہوتے ہیں۔

اس عبارت میں امام ابوبکر البیہقی نے اس رائے کے حق میں جن دو باتوں کا ذکر فرمایا ہے اہل بصیرت بخوبی جانتے ہیں کہ ان کی دونوں باتیں کمزور ہیں، اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی "بت پرستی" کسی مستند دلیل سے ثابت نہیں، اور محض کسی معاشرے کے بگاڑ سے ان کی بت پرستی پر استدلال درست نہیں، اس لئے کہ اسی معاشرے میں "حنفاء" کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی، جو شرک و بدعات سے متنفر تھی، ان حالات میں استصحاب کو ان کے "شرک" کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

رہا ان کا یہ کہنا، کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے۔ تو یہ اعتراض بادی النظر میں اتنا صحیح معلوم ہوتا ہے کہ امام البیہقی جیسا شخص بھی اس کی کمزوری کو نہیں بھانپ سکا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا دائرہ نص قرآنی کے مطابق صرف خاندان بنی اسرائیل تک محدود تھا، سورۃ الصف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُم (۲۸)

اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب (حضرت) عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے اولادِ یعقوب، یقیناً میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں۔

اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر، امام البیہقی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔

۲۔ علامہ ابن کثیر کا موقف:

دوسری جلیل القدر شخصیت، جس نے اس موقف کا اثبات کیا ہے، علامہ ابن کثیر کی ہے، وہ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں ان بزرگوں کا تذکرہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

واخبارہ عن ابویہ وجدہ عبد المطلب بانھم من اھل النار لاینافی الحدیث الواردۃ عنہ من طرق متعددۃ – ان اھل الفترۃ والاطفال

والمجانين والصم يمتحنون في العرصات يوم القيامة، كما سطناه سنداً ومتناً في تفسيرنا، عند تفسير قوله تعالى " وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً " فيكون منهم من يجيب و منهم من لا يجيب فيكون هؤلاء من جملة من لا يجيب فلا منافاة ولله الحمد والمنة- (۲۹)

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے والدین اور اپنے جدامجد جناب عبدالمطلب کے بارے میں یہ خبر دینا کہ وہ دوزخی ہیں، اس حدیث کے منافی نہیں ہے، جو کئی طریقوں سے مروی ہے، اور جس میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن زمانہ فترت کے لوگوں، بچوں، دیوانوں، اور بہروں کا امتحان لیا جائے گا، جیسا کہ ہم اپنی تفسیر میں ارشاد باری تعالیٰ وَ کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلاً کی تفسیر کے تحت پوری تفصیل سے، اس کی سند اور متن پر بحث کر آئے ہیں، پھر ان میں سے کچھ لوگ مثبت جواب دیں گے اور کچھ جواب نہیں دیں گے اور یہ لوگ (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد) ان میں شامل ہوں گے جو جواب نہیں دیں گے، لہٰذا دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں۔

اس عبارت میں علامہ ابن کثیر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں مختلف روایات کے مابین، ''جمع و تطبیق'' کا طریقہ اپناتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں اپنے خیال میں ''دوطرح کی روایات'' کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن افسوس کہ انہوں نے شک کا فائدہ ''ملزمان'' کو دینے کے بجائے ''مدعیون'' کو پہنچایا ہے۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ شک کا فائدہ ''ملزمان'' ہی کو دیا جاتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے روز محشر کو ''اہل فترت سے ''امتحان لینے کا فیصلہ کیا، اور اس فیصلے سے ابوجہل، عتبہ ابوشیبہ کے بزرگوں کو فائدہ پہنچے گا تو ہادی امم، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اس رعایت اور سہولت سے کیوں محروم رہیں گے اور ان پاکیزہ خصلت اور نیک صفات لوگوں سے، جن کے بارے میں سیرت و تاریخ کی کتابوں میں نافرمانی اور شرک کا ایک واقعہ بھی

روایت نہیں کیا گیا، وہ کونسی خطا ہوئی ہے، جس کی بنا پر یہ بزرگ اس رعایت اور اس فیضان سے محروم رکھے جائیں گے۔ اور ان کے گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت کا ہونا اور ان کا دنیا کا مقدس ترین ہستی کی تربیت اور پرورش کرنا بھی ان کے کام نہ آئے گا۔

الغرض علامہ ابن کثیر کی جلالت قدر، اور بلند مرتبی کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس جگہ انہوں نے نہ تو انصاف سے کام لیا اور نہ ہی خاندان نبوت کے مقام و رتبے کو پیش نظر رکھا۔

۳۔ ملا علی قاری کا مسلک:

تاریخ اسلام میں ایک اور شخصیت بھی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے عدم نجات کا عقیدہ رکھنے کی بنا پر معروف ہے، یہ نامور اور بزرگ شخصیت ملا علی قاری کی ہے، جنہوں نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں بڑی شدومد کے ساتھ اپنا یہ موقف و نظریہ پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین (العیاذ باللہ) مبتلائے عذاب ہوں گے۔ (۳۰)

۳۔ تیسرا مسلک آنحضور ﷺ کے والدین اور بزرگوں کے نجات یافتہ ہونے کا نظریہ

اس سلسلے میں تیسرا اور اہم ترین مسلک، جو مذکورہ بالا مسلک (دوم) کے ردعمل کے طور پر پیدا ہوا یہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام بزرگ اور آپ ﷺ کے والدین نجات یافتہ ہیں۔

اس مسلک کا کھل کر اظہار سب سے پہلے تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی میں، اس وقت ہوا جب، لوگوں نے یونانی علوم و فنون کے تحت نت نئے مباحث و مسائل اٹھائے اور انہیں موضوع سخن بنایا، اور اس ضمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سعیدین کی ''ذات قدسیہ'' کی ''عدم نجات'' کا موقف بہ بانگ دہل دہرایا جانے لگا، ردعمل کے طور پر بہت سے علماء نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''والدین'' کے ''نجات یافتہ'' ہونے کے موقف کی ترجمانی کی، یہ مسلک جلیل القدر ائمہ اہل سنت کا مسلک ہے، جیسا کہ علامہ الآلوسی صاحب روح المعانی نے اس کی

تصریح کی ہے۔(۳۱)

اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کے لئے علمائے کرام نے کئی عنوانات یا مسالک اختیار فرمائے، انہی مسالک ومواقف کو علامہ جلال الدین السیوطی نے اپنی کتاب ''مسالک الحنفاء'' میں جمع کیا ہے۔

علامہ جلال الدین السیوطی کے مطابق اس بارے میں علمانے حسب ذیل مسالک اپنائے ہیں:

الف۔ زمانۂ فترت میں ہونا

اس سلسلے میں بہت سے علماء نے اس حکم کو ان بزرگوں کے زمانہ فترت (انقطاع نبوت) میں ہونے کی طرف منسوب کیا ہے، اس لئے کہ ان بزرگوں کا بعثت نبوی ﷺ سے پہلے انتقال ہوگیا تھا اور اس وقت انتقال کرنے والوں کو کوئی عذاب نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً (۳۲)

اور ہم (کسی کو) اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔

یہ مسلک سب سے پہلے شیخ الاسلام علامہ المناوی نے اختیار فرمایا ہے، چنانچہ مروی ہے:

ایک بار اُن سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق سوال کیا گیا، اس پر ان کے اور سائل کے درمیان گرما گرم بحث ہوئی، سائل نے پوچھا، کیا ان کا اسلام لانا ثابت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ان کا انتقال زمانہ فترت میں ہوگیا تھا اور اس وقت انتقال کرنے والوں کے لئے کوئی سزا ہی نہیں ہے۔(۳۳)

اسی طرح نامور محقق علامہ سبط ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''مرآۃ الزمان'' میں علماء کی ایک جماعت کی طرف اسی قول کو منسوب کیا ہے۔

انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے کے متعلق حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تک اسلام کی دعوت ہی نہیں پہنچی، (پھر) ان دونوں کا کیا گناہ ہے؟'' (۳۴)

اسی طرح علامہ ابی (شارح صحیح مسلم) نے اپنی کتاب شرح صحیح مسلم میں بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کا موقف و مسلک:

نامور محدث اور محقق حافظ ابن حجر، نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے نجات یافتہ ہونے کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

والظن با ٰلہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ...... یعنی الذین ماتوا قبل البعثۃ انھم یطیعون عند الامتحان اکراماً لھم لتقربھم عینہ۔ (۳۵)

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان ...... یعنی ان لوگوں کے بارے میں جو بعثت سے قبل انتقال کر گئے، گمان یہ ہے کہ جب ان کا امتحان لیا جائے گا تو وہ اطاعت اور فرمان برداری کریں گے، تاکہ ان کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

علامہ السیوطی فرماتے ہیں کہ پھر میں نے الاصابہ میں دیکھا کہ حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں کہ:

کئی طریقوں سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ قیامت کے دن سٹھیا جانے والے بوڑھے، جو لوگ زمانۂ فترت میں انتقال کر گئے ہیں، جو شخص پیدائشی طور پر بہرہ، اندھا اور گونگا ہو، جو شخص دیوانہ پیدا ہوا، یا اس پر بالغ ہونے سے پہلے دیوانگی طاری ہو گئی، اسی طرح کے دوسرے لوگوں پر اتمامِ حجت کے لئے ان سے پوچھا جائے گا اور اگر وہ

> یہ کہہ دیں گے کہ "اگر میں سمجھدار ہوتا یا مجھے نصیحت کی جاتی تو میں بالضرور ایمان لے آتا"، پر ان کے سامنے جہنم لائی جائے گی اور انہیں کہا جائے گا اس (جہنم) میں داخل ہو جاؤ۔ پھر جو کوئی اس میں داخل ہو گیا تو وہ اس کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے گی، اور جو کوئی اس میں (خوشی) سے داخل نہ ہو گا، اسے جبراً داخل کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے تمام طرق کو ایک جزو (رسالے) میں جمع کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ مزید لکھتے ہیں:

> اور ہم امید رکھتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب اور ان کے خاندان کے دوسرے لوگ اس میں (امتحان کے وقت) خوشی سے داخل ہونے والوں میں شامل ہوں گے۔ سوائے ابو طالب کے۔ اس لئے کہ انہوں نے بعثت نبوی ﷺ کا زمانہ پایا، مگر ایمان قبول نہیں کیا اور (صحیح) حدیث سے ثابت ہے کہ وہ دہکتی آگ (ضحضاح) میں ہوں گے۔ (۳۶)

علامہ السیوطی نے اس مسلک کے حق میں چھ قرآنی آیات اور سات احادیث سے بھی استدلال کیا ہے، جن سے زمانہ فترت کے لوگوں کے بارے میں صراحت کی گئی ہے، کہ قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا اور وہ امتحان کے بغیر نہ جنت کے سزاوار ہوں گے اور نہ جہنم کے، جبکہ قرآنی آیات میں محض یہ صراحت ہے کہ!

> اللہ تعالیٰ جب تک کسی قوم پر اتمام حجت نہ فرمالیں گے، اس وقت تک انہیں عذاب نہیں دیں گے۔

علامہ السیوطی نے بھی لکھا ہے کہ ان کا یہ مسلک صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے، جن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور جو لوگ "دعوتِ دین" ملنے کے باوجود اس سے کنارہ کش رہے، ان کا حکم اس سے مختلف ہوگا۔

(ب). آنحضور ﷺ کے والدین کا ملت حنیفیہ کا حامل ہونا

جو لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ''والدین'' کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ نجات یافتہ ہیں، ان میں سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایسا اس لئے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ملت حنیفیہ کے حامل اور اس پر عامل تھے، جیسے کہ کتب تاریخ میں زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل کے بارے میں آتا ہے، مفسرین میں سے یہ مسلک علامہ فخر الدین الرازی نے اختیار فرمایا، چنانچہ وہ اپنی کتاب ''اسرار التنزیل'' میں لکھتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ تھا، بلکہ ان کا چچا تھا۔

پھر اس پر، انہوں نے متعدد دلائل دیئے ہیں، جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے!

الَّذِیْ یَرَاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ۔ (۳۸)

یعنی وہ ذات جو تجھے اس وقت دیکھتی ہے، جب تو کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ گزاروں میں تیرا پلٹنا۔

ایک قول کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ایک سجدہ گزار سے دوسرے سجدہ گزار میں منتقل ہوتا رہا۔ (۳۹)

اس اعتبار سے یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد مسلمان تھے، اس بنا پر یہ بات قطعی ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر نہ تھے، وہ تو ان کا چچا تھا۔ ماسوائے اس کے کہ آیت مبارکہ!

تَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ۔

کو دوسری تاویلات پر محمول کیا جائے۔

اور اس بات کی دلیل کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد بت پرست نہ تھے، نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات وقال تعالىٰ: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فوجب ان لايكون احد من اجداده مشركاً۔ (۴۰)

اور میں پاک لوگوں کی پشتوں سے، پاک عورتوں کے رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ''یقیناً مشرک ناپاک ہیں''۔لہٰذا ضروری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بزرگ مشرک نہ ہو۔

اس مسلک کی تائید میں علامہ جلال الدین السیوطی نے دو مقدمات قائم فرمائے ہیں:

اول: یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک جد امجد، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنے زمانے میں سب سے بہتر اور سب سے افضل شخص تھا۔

دوم: کئی روایات اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ تک کوئی زمانہ بھی ایسے لوگوں کے وجود سے خالی نہیں رہا، جو فطرت اصلیہ پر قائم رہے اور جو اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے اور ایک سمجھتے رہے، اور اپنے پروردگار کے سامنے نماز ادا کرتے تھے، انہی کی وجہ سے یہ زمین تباہی سے محفوظ رہی اور اگر ایسے لوگ موجود نہ ہوتے تو یہ زمین اور جو لوگ اس کی پشت پر موجود ہیں، کبھی کے فنا ہو چکے ہوتے۔

ان دونوں مقدمات کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں سے کوئی بھی شخص مشرک نہ تھا۔(۴۱)

بعد ازاں علامہ السیوطی نے اپنے ان دونوں مقدمات کے حق میں، بہت سی روایات سے استدلال کیا ہے، جن میں سے بیشتر احادیث اور آثار کا تذکرہ قاضی صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے، مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرناً فقرناً حتی بعثت من القرن الذی کنت فیه-

مجھے اولادِ آدم کے بہترین لوگوں میں، زمانہ بزمانہ بھیجا گیا، یہاں تک کہ میں اس زمانے میں مبعوث کر دیا گیا، جس میں میں ہوں۔

رہا دوسرا مقدمہ، تو اس کے متعلق علامہ السیوطیؒ نے مختلف روایات اور آثار سے استدلال کیا ہے، مثال کے طور پر ابتداء میں حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لم یزل علی وجہ الدھر فی الارض سبعۃ مسلمون فصاعدًا فلولا ذالک لھلکت الارض ومن علیھا، رواہ عبدالرزاق فی المصنف- (۴۲)

روئے زمین پر، ہر ایک زمانے میں سات یا اس سے زیادہ لوگ ہمیشہ مسلمان رہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اس کے رہنے والے تمام لوگ ہلاک کر دیئے جاتے۔

اس حصے میں سے بھی اکثر روایات کا تذکرہ قاضی صاحب نے اپنے رسالے میں کیا ہے۔

علامہ السیوطی کے ہاں اس پھیلی ہوئی اور بہت منتشر بحث کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ علامہ السیوطی کے زمانے میں اس مسئلے پر بہت سے لوگ ان کے مخالف تھے، اسی لئے انہوں نے اس عنوان کے تحت جو بحث کی ہے، اس میں ہر مسلک و مشرب کے افراد کے خلاف ان کے اپنے اصولوں کی روشنی میں استدلال کیا ہے، اس بحث کی ابتداء میں علامہ السیوطی فرماتے ہیں!

المجادلون فی ھذا الزمان کثیر خصوصاً فی ھذہِ المسئلۃ و اکثرھم لیس لھم معرفۃ بطریق الاستدلال فا الکلام معھم ضائع- (۴۳)

اس زمانے میں خصوصاً اس مسئلے میں جھگڑا کرنے والے لوگ بہت زیادہ ہیں، ان میں سے بیشتر افراد کو طریق استدلال کا بھی پتہ نہیں ہے، لہٰذا ان کے ساتھ بحث کرنا فضول ہے۔

تاہم اتمام حجت کے لئے علامہ السیوطی نے ان کے خلاف، حسب ذیل طریقے پر استدلال کیا ہے:

''ہمارے مخالفین میں سے زیادہ تر لوگ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں مذکور صحیح حدیث سے تمہارے اس دعوے کے برخلاف اثبات ہوتا ہے۔اگر تو یہ مباحثہ کرنے والا ہمارا ہم مسلک، یعنی شافعی المشرب ہو، تو میں اس سے کہوں گا کہ، صحیح مسلم میں مذکور صحیح حدیث میں ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں **بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم** نہیں پڑھی، اور تم بسم اللہ کے بغیر نماز کو درست نہیں مانتے ہا ور صحیحین (بخاری ومسلم) میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ تم اس کی اقتدا کرو، لہٰذا تم اس سے اختلاف نہ کرو، اگر وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو'' اور تم جب امام **سمع اللّٰہ لمن حمدہ** کہتا ہے تو تم بھی اسی طرح **سمع اللّٰہ لمن حمدہ** کہتے ہو (اقتدا نہیں کرتے) اور جب وہ کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو تم اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہو (بیٹھ کر نہیں پڑھتے اس طرح امام کی مخالفت کرتے ہو)۔ان تمام صورتوں میں اگر اس کے پاس ذرہ بھر بھی علم ہوگا تو وہ ضرور کہے گا کہ ہمارے پاس ایسی دلیلیں ہیں، جو اس کے خلاف ہیں (جس کی بنا پر ہم ان حدیثوں پر عمل نہیں کرتے) تو میں اس کے جواب میں کہوں گا، بجا، یہ مسئلہ بھی ویسا ہی ہے۔اس پر اسی طریقے سے حجت قائم کی جاتی ہے، اس لئے کہ یہ دلیل اسے اور اس جیسی اور دلیلوں کو لازم کرنے والی ہے۔

اور اگر ہمارے ساتھ مباحثہ کرنے والا مالکی المذہب ہو، تو اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ:

صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

البایعان بالخیار مالم یتفرقا (بیع کرنے والے، جب تک ایک دوسرے سے

الگ نہ ہو جائیں، انہیں بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے ۔) اور تم لوگ خیار مجلس ثابت نہیں کرتے ، اسی طرح صحیح مسلم میں یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے پورے سر کا مسح نہیں کیا اور تم لوگ وضو میں پورے سر کا مسح لازم قرار دیتے ہو، تو تم نے صحیح مسلم میں واردشدہ صحیح حدیث کی مخالفت کیوں کی؟ تو وہ کہے گا کہ اس کے بالمقابل ایسی دلیلیں ہیں جو ان کی معارض ہیں، لہٰذا ہم نے انہیں اس حدیث پر مقدم کر دیا ہتو میں (جواباً) کہوں گا، کہ یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

اور اگر ہمارا مخالف حنفی المسلک ہو، تو میں اس سے کہوں گا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ:

اگر تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے، تو تم اسے سات مرتبہ دھوو مگر تم لوگ کتے کی نجاست میں سات بار دھونے کو ضروری نہیں سمجھتے ، اور صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز جائز نہیں، جو نماز میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھے اور تم اس کے بغیر نماز کو صحیح قرار دیتے ہو۔ اسی طرح صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور تو اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ تو بالکل سیدھا ہو جائے ؛'' مگر تم لوگ اعتدال میں طمانیت کے بغیر نماز کو صحیح قرار دیتے ہو، اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب پانی دو قلون (بڑے مٹکوں) کی مقدار کو پہنچ جائے، تو وہ خباثت (گندگی) کو نہیں اٹھاتا، مگر تم دو مٹکوں کا اعتبار نہیں کرتے اور صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدبر کو فروخت فرمایا! مگر تم لوگ مدبر کی بیع کو صحیح نہیں سمجھتے ۔ اس کے جواب میں وہ کہے گا کہ دوسری دلیلیں جو اس کے معارض تھیں، موجود ہیں، جن کی بنا پر ہم نے انہیں ان پر مقدم کر دیا ۔ تو میں بھی یہی کہوں گا۔

اور اگر ہمارا مخالف شافعی المسلک ہو، تو میں اس سے کہوں گا کہ صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے شک والے دن روزہ رکھا، اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی

کی" اور صحیحین میں ہے" کہ رمضان المبارک سے پہلے، ایک یا دو دن کے روزے (مت) رکھو اور تم لوگ شک والے دن میں روزہ رکھنے کے قائل ہو، تو تم نے صحیحین والی حدیث کی مخالفت کیوں کی؟ تو وہ کہے گا کہ اس کے مقابلے میں ایسی دلیلیں ہیں، جو اس کی معارض ہیں، لہٰذا ہم نے انہیں ان پر مقدم کر دیا، تو میں بھی جواب میں یہی کہوں گا کہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔

اور اگر جھگڑا کرنے والا شخص ایسا ہو، جو محدث تو ہو، مگر فقیہ نہ ہو تو میں کہوں گا کہ:

قدماء کہہ گئے ہیں فقہ کے بغیر حدیث بیان کرنے والا ایسے ہے جیسے کہ کوئی عطار ہو، مگر طبیب نہ ہو کہ اس کے پاس تمام ادویات تو موجود ہیں، مگر اسے یہ علم نہیں ہے کہ اس کی کونسی دوا کس مرض کے لئے بہتر ہے اور فقیہ جو حدیث نہ جانتا ہو وہ ایسے ہے کہ جیسے کوئی طبیب ہو، عطار نہ ہو، جسے یہ تو علم ہو کہ کونسی دوا کس مرض میں فائدہ مند ہو سکتی ہے مگر اس کے پاس ادویہ ہی موجود نہ ہوں۔ (۴۴)

آنحضور ﷺ کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کا مسلک

اس سلسلے میں تیسرا موقف مسلک یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کیا، اور وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے (اور پھر اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا)۔

بقول علامہ السیوطی یہ مسلک بہت سے علماء نے اختیار فرمایا، جس میں ابن شاہین، حافظ ابو بکر الخطیب البغدادی، علامہ عبد الرحمان السہیلی، علامہ القرطبی محبّ الطبری، اور علامہ ناصر الدین بن المنیر قابل ذکر ہیں۔

اس بارے میں محدثین اور سیرت نگاروں نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے (اور جسے قاضی صاحبؒ نے بھی زیر بحث اپنے رسالے میں درج فرمایا ہے) اسے خطیب البغدادی

(السابق واللاحق) الدارقطنی اور ابن عساکر نے "غرائب مالک" میں، ایک ضعیف سند کے ساتھ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے۔ (۴۵)

اس "احیاے والدین نبوی ﷺ" والی حدیث کو علامہ السیوطی نے محدثین کے اتفاق کے ساتھ ضعیف، بلکہ موضوع قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کے خیال میں یہ روایت موضوع نہیں بلکہ ضعیف ہے اور یہ کہ انہوں نے اس حدیث کی توضیح وتشریح کے لئے ایک **مستقل** جزو (رسالہ) لکھا ہے۔

نامور محدث اور مفسر علامہ القرطبی نے بیان کیا ہے کہ حدیث احیاء اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لئے استغفار کی ممانعت والی حدیث کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ کے والدین کے احیاء کا عمل بعد میں پیش آیا، جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مطابق احیاء کا واقعہ حجۃ الوداع کا ہے، اسی لئے ابن شاہین نے اسے سابقہ احادیث وروایات کے لئے ناسخ قرار دیا ہے۔ (۴۶)

علامہ جلال الدین السیوطی نے لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے احیاء کا واقعہ شرعاً وعقلاً ناممکن نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن حکیم میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ (۴۷)

تاہم اس بارے میں حقیقت یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے کے بیان پر مشتمل جتنی بھی روایات ہیں، جن کا تذکرہ علامہ السیوطی کی اتباع میں اس رسالے کے مؤلف، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے بھی کیا ہے، کہ وہ تمام کی تمام ضعیف، بلکہ موضوع ہیں، قریباً تمام کی اسناد میں کوئی نہ کوئی کمزوری اور خرابی موجود ہے، اسی لئے ان روایات کو کسی بھی مستند مجموعہ حدیث میں روایت نہیں کیا گیا، بایں ہمہ بہت سے محدثین نے ان روایات سے تائید وتوثیق کا کام ضرور لیا ہے۔ اسی مقصد کے لئے قاضی صاحبؒ نے اپنے زیر بحث رسالے میں اسے پیش کیا ہے، اور اسے ہر پہلو سے ثابت کیا ہے۔

محاکمہ

جہاں تک زیر بحث مسئلے میں، مذکورہ دلائل کے تجزیئے کا تعلق ہے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ اس

بارے میں قولِ فیصل یہ ہے کہ اوّل تو سکوت (خاموشی) اختیار کی جائے، اس لئے کہ اس بارے میں جمہور کا یہی موقف و مسلک ہے۔ نیز کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے!

> هَاَنْتُمْ هٰؤُلَاۤءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۔ (٤٨)
>
> دیکھو ایسی بات میں تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا بھی، مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں۔

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب کچھ اہل کتاب (یہودیوں) نے حضرت ابراہیم کو یہودی اور عیسائیوں نے عیسائی قرار دیا۔ یہی زیر بحث صورت بھی ایسی ہی ہے اسی لئے اس بارے میں بھی یہی موقف و مسلک بہتر اور مناسب ہے۔

اور اگر کبھی زبان کھولنا بھی پڑے تو پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے صاحب ایمان ہونے اور نجات یافتہ ہونے کا نظریہ زیادہ بہتر ہے۔

پھر جہاں تک اس بارے میں دلائل کا تعلق ہے تو ہمارے خیال میں یہ موقف زیادہ مناسب ہے کہ چونکہ یہ بزرگ زمانۂ فترت میں گزرے ہیں، اور ایسے لوگوں کے متعلق قرآن حکیم کی صراحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ لہٰذا اس سے ان کے متعلق بہترین اور بھلائی کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد کیا صورت ہوگی، اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

علامہ آلوسی کا موقف:

سب سے آخر میں نامور محقق اور خاتم المفسرین، علامہ آلوسی کا یہ موقف پیش کرنا مناسب ہوگا کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کفر کا عقیدہ رکھتا ہے، وہ کافر ہے، علامہ آلوسی سورۂ الشعراء کی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> واستدل بالآية على ايمان ابويه صلى الله عليه وسلم كما ذهب اليه كثير من اجل اهل السنة وانا اخشىٰ الكفر على من يقول فيهما رضى

اللّٰہ عنہما علی رغم انف علی القاری و اضرابہ بضد ذالک اِلّا انی لا اقول لحجیۃ الایۃ علی ھذا المطلب۔ (۴۹)

اوراس آیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا گیا ہے، جیسا کہ بہت سے جلیل القدر ائمہ اہل سنت کا یہی مسلک ہے اور میں ملا علی قاری اوران جیسے لوگوں کے برخلاف کہتا ہوں، کہ مجھے اس شخص کے متعلق کفر کا خدشہ ہے، جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کوئی ناپسندیدہ بات (کفر وغیرہ) کہتا ہو، البتہ میں اس آیت کی، اس مضمون پر حجیت کا بھی قائل نہیں ہوں۔

رسالہ تقدیس والدی المصطفیٰ ﷺ کا جائزہ

قاضی صاحب کا زیر بحث رسالہ ہمیں محترم آغا ابوحفص عمر (کوئٹہ بلوچستان) کی وساطت سے ملا، یہ رسالہ، چھوٹے سائز کے ۱۸ قلمی صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحے پر اتنی ہی سطریں ہیں، ہماری معلومات کے مطابق یہ رسالہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

اس کے ناسخ ناموصوفی بزرگ مولانا ابوالحسن زید دہلوی فاروقی المجددیؒ ہیں۔جنہوں نے اس کوایک اور نسخے سے ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں شملہ کے رامندر ہاؤس کی دوسری منزل پر بیٹھ کر نقل کیا، چنانچہ وہ اس کے ترقیمے میں لکھتے ہیں:

یقول العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو الحسن زید الفاروقی المجددی بانی قد نقلت ھذہ الرسالۃ الشریفۃ فی تقدیس آباء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم للعالم النحریر والحبر الکبیر القاضی محمد ثناء اللّٰہ العثمانی رضی اللّٰہ عنہ وارضاہُ، فی یوم السبت العشرین من الشھر المبارک الذی ولد فیہ سید العرب والعجم صلوٰت اللّٰہ وسلامہ علیہ سنۃ سبع و خمسین وثلا ثمأۃ بعد الالف من الھجرۃ علی صاحبھا الف صلوٰۃ وتحیۃ وذالک فی شملۃ سمرھل، رامندور ھائوس الدور الفوقانی وللّٰہ الحمد۔ (۵۵)

اپنے پروردگار کی رحمت کی قومی امید رکھنے والا بندہ ابوالحسن زید الفاروقی المجددی کہتا ہے کہ میں نے یہ پاکیزہ کتابچہ جو عالم کبیر اور علامہ نبیل قاضی محمد ثناء اللہ العثمانی کا ہے، بروز ہفتہ ۲۰ ماہ ربیع الاوّل ۱۳۵۷ کو گرمائی مقام شملہ کے رامندر ہاؤس کی دوسری منزل میں مکمل کیا۔ تمام حمد اللہ کے لئے ہے۔

یہ کتابچہ مولانا ابوالحسن زید کے ان رسائل میں سے ایک ہے، جسے انہوں نے قاضی صاحب کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اس مجموعے میں یقیناً اور رسائل اور کتابیں بھی ہونگی، اس لئے کہ ہمارے پاس جو نسخہ ہے، اس کے صفحات ۱۲۳ سے شروع ہوکر ۱۴۰ پر جاکر ختم ہوتے ہیں، اسی مجموعے میں ص ۱۶۶ سے ۱۶۷ تک، قاضی صاحب کے حالات زندگی نقل کئے گئے ہیں، اور قاضی صاحب کی ۳۲ کتابوں کے نام درج کئے ہیں، اور اس کے آخر میں حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔

''فقیر کاتب الحروف تصنیفات ایشان راجمع نموده غیر از کتاب دوم فتاویٰ مظهری و رساله سی ویکم و کتاب سی ودوم همه رسائل نزد فقیر موجود است فتاویٰ مظهری نزد قاضی عطاء الله موجود بوده و بقیه دو کتب را فقیر ندیده'' (۵۱)

راقم الحروف (مراد مولانا ابوالحسن زید دہلوی ہیں) نے قاضی صاحب کی تمام کتابوں کو جمع کیا ہے۔ سوائے دوسری کتاب یعنی فتاویٰ مظہری کے اور سوائے نمبر ۳۱ و ۳۲ کے تمام رسائل میرے پاس موجود ہیں۔ فتاویٰ مظہری قاضی عطاء اللہ صاحبؒ کے پاس موجود ہے۔ اور باقی دونوں کتابوں کو خاکسار نے نہیں دیکھا۔

قاضی صاحب کی تصانیف کی کوئی حتمی فہرست اب تک سامنے نہیں آئی، ہم نے اپنی کتاب تذکرہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی میں جو ۴۰ کتابوں پر مشتمل فہرست مرتب کی ہے، اس میں ابھی تحقیق کی گنجائش موجود ہے۔ ان کی قلمی کتابیں، سب سے زیادہ مولانا ابوالحسن زید دھلوی کی تولیت میں تھیں، جو ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین کے پاس ہوں گی۔

قاضی صاحب کا یہ کتابچہ، دراصل ان کی خاندان نبوی ﷺ سے گہری عقیدت ومحبت کا مظہر ہے، اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کے نزدیک، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگوں سے محبت، جز وایمان تھی اور وہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا لازمی تقاضا خیال کرتے تھے۔

تجزیہ وتبصرہ:

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اپنے دور کے نمایاں محدث ومفسر ہی نہیں، بلکہ اپنے زمانے میں تحریک نشاۃ ثانیہ کے بہت بڑے داعی اور قائد بھی تھے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جو تحریک حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے شروع کی تھی اور جسے امام العصر شاہ ولی اللہ محدث اور شیخ طریقت مرزا مظہر جان جاناںؒ محدث نے اپنے شاگردوں، اپنی تصانیف اور اپنے مکتوبات کے ذریعے نیا روپ اور نیا جذبہ عطا کیا تھا، قاضی صاحبؒ اس تحریک میں پوری طرح ان بزرگوں کے ''ہم نوا'' اور ہم دم تھے، اسی لئے انہوں نے اپنی کتابوں کے موضوعات زیادہ تر اسی تحریک سے انتخاب فرمائے۔

زیر نظر رسالہ بھی، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، چنانچہ یہ رسالہ، بظاہر تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے اثبات سے تعلق رکھتا ہے، جس کا بظاہر اس تحریک سے تعلق اور ربط نظر نہیں آتا، لیکن اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو واضح ہوجاتا ہے یہ تصنیف بھی دراصل اسی پاکیزہ سلسلے کی ایک خوبصورت کڑی ہے۔

تحریک ''نشاۃ ثانیہ اسلام'' کی اساس دراصل ''رجوع الی القرآن والسنۃ'' پر استوار کی گئی ہے۔ قرآن تو ''اللہ تعالیٰ کا وہ محفوظ ومصؤن کلام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ہر اضافے اور ہر نقصان سے محفوظ رکھا ہے اور جس پر باطل نہ تو سامنے سے حملہ آور ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے۔ (۵۲) جبکہ ''سنت'' اس پاکیزہ اور معمّر راستے اور طریقے کا عنوان ہے، جس پر ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں چلتے رہے اور جس پر چلنے کی تاکید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ارشادات کے ذریعے امت کو فرمائی اور چونکہ قرآن کریم اور سنۃ کی انمول نعمتیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے توسط سے امت کو ملی ہیں، اس لئے ان تمام پہلوؤں کا دفاع بھی،

جن سے ذات ورسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وتقدیس، کی حفاظت ہوتی ہے، ایمان میں اضافے اور تحریک کا موجب بنتا ہے، اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا، خاندان نبوی سے محبت، ایک پہلو سے، خود ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت وعقیدت کا حصہ ہے۔ اس لحاظ سے زیر بحث رسالے کے موضوع کا بھی براہ راست اسی تحریک سے رشتہ قرار پاتا ہے۔

اس لئے علمائے سلف میں سے متعدد بزرگوں نے جن میں امام جلال الدین السیوطی پیش پیش ہیں، اس موضوع پر مستقل رسالے اور کتب تحریر وتصنیف فرمائیں، اور یہ خاندان نبوی سے قلبی تعلق اور ذہنی لگاؤ کا اثر تھا کہ قاضی صاحب نے بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے متعلق متعدد رسائل تصنیف فرمائے۔ (۵۳) جن میں زیر بحث رسالہ بھی شامل ہے۔

تقدیس والدی المصطفیٰ ﷺ کے مضامین کا جائزہ

قاضی صاحب کے اس کتابچے کی قدر واہمیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ تو اس کے مطالعے سے ہی کیا جا سکتا ہے، البتہ اگر اس کے مضامین پر ایک نظر ڈال لی جائے تو مناسب ہوگا۔

یہ رسالہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اس عنوان پر علامہ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) کے رسائل، خصوصاً مسالک الحنفاء کی تلخیص پر مشتمل ہے، جسے انہوں نے اپنی ضرورت کے تحت، ضروری ردوبدل کے ساتھ پیش کیا ہے، اس رسالے کو ہم نے آسانی کے لئے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

خطبۂ مؤلف

قاضی صاحب نے اپنے اس رسالے کا جو خطبہ تحریر کیا ہے، یہ حصہ اس پر مشتمل ہے، اس میں قاضی صاحبؒ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد، اپنے اس رسالے کی تصنیفی غرض وغایت تحریر کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

وبعد فهذه رسالة في اثبات ايمان آبائه صلى الله عليه وسلم- (۵۴)

یہ رسالہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کے ایمان کے اثبات پر مشتمل

ہے۔

فضائل نسب النبی ﷺ

یہ حصہ تقریباً دو صفحات پر مشتمل ہے، اور اس کی حیثیت اس کتاب کے مقدمے اور تمہید کی سی ہے، اس حصے میں قاضی صاحبؒ نے صحاح ستہ سے، تقریباً چھ احادیث نقل کی ہیں، جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں اور آپ ﷺ کے خاندان کے فضائل بیان کئے ہیں۔ ان روایات کے ذریعے قاضی صاحب یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ان روایات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بزرگوں اور اپنے خاندان کے لئے جو لفظ ''مصطفیٰ''خیر، الطاہر، اور افضل'' استعمال کیے ہیں، ان کا اطلاق کسی غیر مسلم پر نہیں ہوسکتا۔ (۵۵) یہی استدلال علامہ جلال الدین السیوطی نے اپنی کتاب مسالک الحنفاء میں پیش کیا ہے، البتہ دونوں کے الفاظ مختلف ہیں مثلاً السیوطی نے لکھا ہے:

> **ومن المعلوم ان الخيرية والا صطفاء والا ختيار من الله والافضلية عنده لا تكون مع الشرك - (۵۶)**
>
> اور یہ بات معلوم و مسلم ہے کہ لفظ اصطفاء (انتخاب)، اختیار (پسندیدگی) اور اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل ہونا شرک کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

جبکہ قاضی صاحب نے یہ مفہوم حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

> **ولا شک ان اطلاق الافضل و الخير والا صطفاء والطاهر لا يجوز على الكفار - (۵۷)**
>
> اور بے شک افضل، خیر اصطفاء اور طاہر کا اطلاق غیر مسلموں کے لئے جائز نہیں ہے۔

هل كان آباء النبي ﷺ مؤمناً؟

اس رسالے کا یہ حصہ سب سے زیادہ اہم ہے، اس حصے میں قاضی صاحب نے مختلف روایات کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد، یعنی حضرت آدم علیہ

السلام سے لےکر، جناب عبدالمطلب تک مؤمن تھے (جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے)۔یہ حصہ تقریباً (عربی متن) کے چار صفحات پر مشتمل ہے۔(۵۸) اس حصے میں، قاضی صاحب نے زیادہ تر تاریخی نوعیت کی روایتوں سے استدلال کیا ہے۔ان روایات کا علمی پایہ اگرچہ کمزور ہے، لیکن ان کی اساس جن روایات پر ہے (یعنی اس خاندان کی فضیلت و بزرگی پر مشتمل روایات پر) ان کا درجہ بہت بلند ہے، یہ حصہ بھی علامہ السیوطی کے مذکورہ رسائل کے ایک حصے کی تلخیص پر مشتمل ہے۔اس حصے میں قاضی صاحب نے اس سوال پر بھی بحث کی ہے کہ آیا کسی "نبی" کا باپ مشرک ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر تھے، یا تارح؟ السیوطی کی طرح اس رسالے میں بھی اسی موقف کی تائید کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارح تھے اور آذران کے چچا کا نام تھا اور جیسا کہ معلوم ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، اور اس بارے میں دونوں طرح کے اقوال اور آرا موجود ہیں۔

اثبات ایمان والدی النبی ﷺ

کتاب کا سب سے جاندار اور اہم ترین حصہ وہ ہے جس میں قاضی صاحب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ کے ایمان کا اثبات کیا ہے۔ اس پر انہوں نے جو مستقل عنوان کے تحت بحث کی ہے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ:

> بقی الکلام فی ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن عبد المطلب و آمنہ بنت وھب ولولا من الا حادیث مایدل علی خلاف ما ادّعینا ما احتجنا الی فی ھذہ المقال و ولنقصد با لجواب عنھا والتاویل ثم لنذکر مایفید المطلوب – (۵۹)

اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جناب عبداللہ اور آمنہ بنت وھب کے بارے میں بحث رہ گئی اور اگر ہمارے دعویٰ کے خلاف دلالت کرنے والی احادیث موجود نہ ہوتیں تو اس مقالے میں اس بارے میں استدلال نہ کرتے، اس لئے ہم پہلے ان روایات کا جواب اور ان کی تاویل بیان کریں گے، اور پھر وہ روایات بیان

کریں گے جو مطلوب کے لئے فائدہ مند ہو سکتی ہیں۔

یہ حصہ بھی امام السیوطی کی مسالک الحنفا کے ایک حصے کی تلخیص پر مشتمل ہے۔(۵۶)

اس حصے میں قاضی صاحب نے صحیح مسلم اور مسند احمد بن حنبلؒ کی روایات پر ان کی سند اور متن کے اعتبار سے تنقید کی ہے اور واضح کیا ہے کہ یا تو اس روایت کی تاویل کی جائے گی اور یا پھر اس روایت کا جو "متفق علیہ" حصہ ہے، اس پر عمل کیا جائے گا، جو صرف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ قدسیہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر آپ ﷺ روئے، استغفار کی اجازت مانگی، مگر اس وقت اجازت نہ ملی" اور بعد میں اجازت مل گئی۔

اس حصے کے آخر میں قاضی صاحبؒ نے ان روایات کا بھی تذکرہ کیا ہے جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کئے جانے اور ان کے آپ ﷺ پر ایمان لانے کا تذکرہ ہے۔(۶۰)

یہ روایات، جیسا کہ ہم ازیں قبل واضح کر آئے ہیں بالاتفاق کمزور بلکہ موضوع ہیں، اور سچی بات تو یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کا مسئلہ، ایسی موضوع روایات کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے بجائے اس بارے میں ان بزرگوں کا زمانۂ فترت میں ہونا اور ان بزرگوں کے اخلاق اور ان کے مجموعی کردار کے متعلق مختلف روایات میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ کافی ہے۔ اس لئے مناسب ہوتا کہ اس عنوان پر لکھنے والے حضرات ان روایات کا سہارہ نہ لیتے، لیکن چونکہ، اس موضوع کے حق میں لکھنے والے تمام لوگ، مثلاً علامہ عبدالرحمٰن السہیلی اور علامہ جلال الدین السیوطی نے بھی، اس مسلک کا ذکر کیا ہے، اس لئے قاضی صاحب نے بھی، ان روایات کا تذکرہ کر دیا ہے، پھر اس میں دلچسپ بات ہے کہ ان بزرگوں نے خود بھی ان روایات کے ضعیف وسقیم ہونے کا تذکرہ کیا ہے، لیکن روایت پسندی کے شوق میں اسے نقل بھی کر دیا ہے۔

فوائد

کتاب کا آخری حصہ چند علمی نکات اور فوائد پر مشتمل ہے، ان فوائد میں جن کی تعداد آٹھ ہے بہت سے علمی مباحث زیر بحث آئے ہیں، مثال کے طور پر فائدہ اول میں آنحضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے والدین کے متعلق، ذخیرۂ حدیث میں آنے والی مختلف روایات کے مابین تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ جبکہ فائدہ دوم میں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدسی صفات والدین کی حیات طیبہ پر مختصر تبصرہ ہے، فائدہ سوم میں قرآن حکیم کی سورۃ الشعراء (آیت ۲۱۹) کی تفسیر کے بارے میں بعض اقوال کا تذکرہ ہے۔

جبکہ فائدہ چہارم میں امام الصفدی کے ان اشعار کا تذکرہ ہے، جو انہوں نے حضرت حلیمہ کے تذکرہ میں نقل کئے ہیں، فائدہ پنجم میں سورۃ الاحزاب (آیت ۵۸) کی روشنی میں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق نازیبا گفتگو سے روکا گیا ہے، فائدہ ششم میں المحب الطبری کی کتاب ذخائر العقبیٰ کے حوالے سے سبیعہ بنت ابی لہب کے ایک واقعے کا تذکرہ ہے، فائدہ ہفتم اور فائدہ ہشتم میں ابولہب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر ملنے پر، جو اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کیا تھا، اس کی بنا پر اس پر تخفیف عذاب اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۶۱)

خاتمے میں قاضی صاحب نے اس کی تکمیل کی تاریخ (ربیع الاول ۱۱۹۱ھ/ ۱۷۷۷ء) ذکر کی ہے۔ الغرض اس مختصر سے رسالے میں قاضی صاحب نے اپنے موضوع کا ہر پہلو سے عمدہ انداز میں تجزیہ کیا ہے۔

عمومی تبصرہ

پھر جب ہم اس پر عمومی جہت سے نظر ڈالتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ رسالہ بنیادی طور پر امام جلال الدین السیوطی کے رسالے مسالک الحنفاء کی تلخیص پر مشتمل ہے، جیسا کہ قاضی صاحب نے خود بھی تفسیر مظہری میں اور اس رسالے کے خاتمے میں، اس کی صراحت کی ہے، لیکن ہمارے خیال میں قاضی صاحب کی اس کاوش کو تلخیص کے بجائے اگر انتخاب کا نام دیا جائے تو بہتر ہوگا، اس لئے کہ تلخیص میں اولاً تو کتاب کے ہر مضمون کی ترتیب ملحوظ رہتی ہے، جبکہ انتخاب میں ترتیب میں ردوبدل ہوسکتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ قاضی صاحب کے اس رسالے کی ترتیب قطعی طور پر علامہ السیوطی کے رسالے سے مختلف ہے۔

ثانیاً قاضی صاحب نے اس رسالے میں اپنی طرف سے بہت سے اضافے بھی کئے ہیں، اس لئے بجائے خود اسے انتخاب کا عنوان دینا زیادہ مناسب اور موزوں ہوگا۔

مأخذ

اس کتاب میں اگرچہ قاضی صاحب نے بظاہر متعدد کتب حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے قریباً ۴۷ روایات واحادیث نقل کی ہیں اور اس کے علاوہ بیسیوں دوسرے امور کی بھی متعدد کتابوں سے روایت کی ہے، لیکن جیسا کہ انہوں نے خود صراحت کی ہے، کہ ان کی اس کتاب کا اصل مآخذ بنیادی طور پر امام السیوطی کے رسائل، خصوصاً مسالک الحنفاء ہے، اس لئے ان کی کتاب میں زیر تذکرہ آنے والا باقی تمام مواد بھی اسی مآخذ پر مبنی ہے۔

زبان و بیان

قاضی صاحب کی یہ تصنیف لطیف عربی زبان میں ہے، اس میں قاضی صاحب نے اپنی دوسری عربی تصانیف ہی کی زبان وبیان کو سہل، سلیس اور عام فہم رکھا ہے۔

اس کتابچے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے، کہ قاضی صاحب کو عربی زبان واسالیب پر مکمل عبور حاصل تھا اور وہ عربی زبان کے مختلف اسالیب پر پوری طرح قدرت اور عبور رکھتے تھے۔ جیسا کہ قاضی صاحب کی دوسری کتابوں، خصوصاً تفسیر مظہری، میں قاضی صاحب کی عربی زبان اور اس کے اسالیب پر اسی طرح کی قدرت نظر آتی ہے۔

یہ کتابچہ ابھی تک قلمی صورت میں ہے، اسے جلد ہی اردو ترجمے اور ضروری تخریج وتعلیق کے ساتھ مرکز ادب اسلامی، دارالعرفان ۱/۱۷، ۲، رحمان پارک گلشن راوی سے طبع کیا جا رہا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ التفسیر المظہری، ۱/۱۲۱، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۳ء
۲۔ ایضاً، ۳/۳۰۷۔۳۰۸،
۳۔ الاحزاب، ۳۳/۲۶،
۴۔ التوبہ، ۹/۲۴،
۵۔ التوبہ، ۹/۱۱۸،
۶۔ ایضاً،
۷۔ الکہف، ۱۸/۶،
۸۔ القلم، ۶۸/۵،
۹۔ الاحزاب، ۳۳/۳۱،
۱۰۔ ایضاً، ۳۳/۶،
۱۱۔ ایضاً، ۳۳/۶،
۱۲۔ ایضاً، ۳۳/۵۳،
۱۳۔ الحجرات ۴۹/۱،
۱۴۔ ایضاً، ۴۹/۲،
۱۵۔ ایضاً، ۴۹/۲۔۳،
۱۶۔ ایضاً، ۴۹/۲،
۱۷۔ ایضاً،
۱۸۔ الشوریٰ، ۴۲/۲۳،
۱۹۔ التفسیر المظہری، ۸/۳۱۸،
۲۰۔ ایضاً، ۸/۳۲۹،
۲۱۔ البخاری، کتاب الایمان، باب ۸ باب
۲۲۔ البخاری، کتاب الایمان، باب ۸،
۲۳۔ الاحزاب، ۳۳/۵۷،
۲۴۔ تفسیر مظہری، ۵/۳۸،
۲۵۔ النور، ۲۴/۳۶،
۲۶۔ السہیلی، الروض الانف، ۲-۱۸۶، دار الکتب الحدیثہ، قاہرہ، ۱۹۶۷ء
۲۷۔ ایضاً، ۲/۱۸۶، بحوالہ البیہقی
۲۸۔ الصف ۶۱/۶،
۲۹۔ البدایہ و النہایہ، مکتبہ المعارف، بیروت، ۱۹۶۶ء، ۲/۲۸۱،
۳۰۔ دیکھئے : مرقاۃ، شرح مشکواۃ، بحوالہ، الآ لوسی، محمود: مکتبہ امدادیہ، ملتان، (بدوں تاریخ) روح المعانی، ۱۹/۱۲۸،
۳۱۔ روح المعانی ۱۹/۱۳۸،
۳۲۔ بنی اسرائیل ۱۷،
۳۳۔ السیوطی، جلال الدین، مسالک الحنفاء، چشتی کتب خانہ فیصل آباد ۱۹۸۶ء، ص ۱،
۳۴۔ ایضاً، ص ۱،
۳۵۔ ایضاً ص ۱،
۳۶۔ ایضاً ص ۲،
۳۷۔ ایضاً ص ۲-۵،
۳۸۔ الشعراء ۲۶/۲۱۸۔۲۱۹،

۳۹۔ مسالک، ص ۷،

۴۰۔ ایضاً، ص ۷،

۴۱۔ ایضاً، ص ۷،

۴۲۔ ایضاً، ص ۹، بحوالہ عبدالرزاق، المصنف،

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۵،

۴۴۔ ایضاً، ص ۳۵۔۳۶،

۴۵۔ ایضاً، ص ۲۷۔۲۸

۴۶۔ ایضاً، ص ۲۷۔۲۸،

۴۷۔ ایضاً، ص ۲۸،

۴۸۔ آل عمران ۳/۲۶

۴۹۔ روح المعانی، ۱۹/۱۳۸

۵۰۔ رسالہ تقدیس والدی المصطفیٰ ﷺ، قلمی /ص ۱۸،

۵۱۔ ایضاً،

۵۲۔ القرآن الکریم حٰم السجدۃ، ۴۱/۴۲،

۵۳۔ دیکھئے: مقالہ ہذا، ص ۱۔۲،

۵۴۔ رسالہ، تقدیس، ص ۱، (قلمی)

۵۵۔ ایضاً، ص ۱ تا ۳،

۵۶۔ مسالک الحنفاء، ص ۹،

۵۷۔ تقدیس، ص ۔۳، (قلمی)

۵۸۔ تقدیس، ص ۳۔۹، (قلمی)

۵۹۔ تقدیس، ص ۲ (قلمی)

۶۰۔ مسالک، ص ۲۹،

۶۱۔ تقدیس، ص ۱۲ (قلمی)